فیض احمد فیض

نظم "درد آئے گا دبے پاؤں"

فیض احمد فیضؔ کی شاعری انقلاب کے ساتھ ساتھ رومانس کا حسین امتزاج ہے۔ اُن کی شاعری سامراجی قوتوں کے خلاف آمادہ پیکار نظر آتی ہے۔ وہ غم جاناں کے ساتھ ساتھ غم دوراں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ فیض احمد فیض کی شاعری میں الفاظ کا اتار چڑھاؤ قاری کو اپنے طلسم میں گرفتار کر لیتی ہے۔ وقت کے حکمرانوں کو للکارنا اور معاشی و معاشرتی ابتری و بدحالی کو صاف الفاظ میں بیان کرنا فیض احمد فیضؔ کے قلم کا اعجاز ہے۔

اِس نظم میں بھی فیض رات کی تنہائی اور کال کوٹھری کے گھپ اندھیرے سے نبرد آزما نظر آتے ہیں فرماتے ہیں کہ جب رات زیادہ بیت جائے گی اور کچھ ہی دیر بعد میرا دل یہ سوچے گا کہ اس تنہائی کا کیا علاج کیا جائے اُسکے ساتھ میرا درد دوگنا ہو جائے گا اور انقلاب کے جذبات ابھرنا شروع ہو جائیں گے ایسا انقلاب جو میرے دل کے نہاں خانوں میں چھپا رہتا ہے۔

فیض مزید کہتے ہیں میرا دل سماجی انصافیوں پر کڑھتا ہے اور میرے جذبات قابو میں نہیں رہتے وہ شعلے بن کر میرے وجود کو جلا رہے ہیں اُن کی تپش سے میرے جسم و جان کا ہر عضو چمک رہا ہے۔ ایسے میں محبوب کی عنبریں زلفیں اور دمکتے رخسار کا لمس مجھے مدہوش کیئے دیتا ہے جدائی کے جنگ بیکراں کہیں سے نمودار ہوتے ہیں اور کبھی میرا تخیل مجھے باغوں میں محبوب کا دیدار کرتا ہے۔

فیض کہتے ہیں کہ دل سے پھر بات کروں گا ذرا سنبھلو، ٹھہرو میرے دل تم سے میں بعد میں نبرد آزما ہوتا ہوں اے میرے دل یہ جو تو نے خیالی محبوب کا بت تراش لیا ہے یہ محض چند ساعتوں کا مہمان ہے یہ چلا جائے گا اور تو اِس

اندھیرے کمرے کی تاریکی اور تنہائی میں پھر اکیلا رہ جائے گا اس تصوراتی محبوب کی آغوش تیرے دکھوں کا مداوا نہیں کر سکتی۔

فیضؔ مزید کہتے ہیں کہ اِس کمرے کے سائے ابھی مشتعل ہو کر میرے گرد رقصاں ہوں گے محبوب کا تصور ختم ہوتے ہی محض سائے میری رسی کو تنہا رہ جائیں گے اور تو اس رات ان سایوں سے دنگا فساد کرے گا۔ فیضؔ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مطلق العنان اور جابر حکمرانوں سے لڑنا اور اُنکے خلاف طبلِ جنگ بجانا آسان کام نہیں ہے اِس قید تنہائی میں تو میرا سایہ بھی میرا دشمن ہو چکا ہے۔

اے میرے دل تیرے درد اور اعلان جنگ میں کچھ ہم آہنگی نظر نہیں آتی۔ اس جگہ پہنچ کر فیضؔ کا آتش غضب بھڑکنے لگتا ہے وہ للکارتے ہیں کہ جاؤ اور اپنے افکار سے آگ لگا دو مگر پھر کہتے ہیں کہ اپنے غصے کی دہکتی ہوئی آگ کہاں سے لاؤ گے۔ ایسی آگ جسمیں کود کر ابراہیم گل و گلزار ہو گئے تھے آج وہ آگ ممکن نہیں۔ عوام الناس کے جذبات، احساسات منجمد ہو چکے ہیں اُن میں گرمی اور حرارت میں کیسے پیدا کر سکتا ہوں۔

فیض احمد فیضؔ کبھی امید کا دیا نہیں بجھنے دیتے کہتے ہیں کہ اِس جیل کی بلند و بالا دیواروں کے دوسری طرف ہو سکتا ہے کوئی میرے انکار کی ہمنوائی کرنے والا لشکر تیار ہو رہا ہو۔ میرے دل سے اٹھتے ہوئے شعلے اور بغاوت کا العان کرتے ہوئے جذبات ہو سکتا اُس لشکر کو میرا پتہ دے دیں۔ ہو سکتا ہے وہ مجھ تک نہ پہنچ پائیں مگر ایسا ممکن ہے کہ وہ آواز دے کر اپنے ہونے کا اعلان کریں مجھے معلوم ہے کہ صبح کی روشنی ابھی بہت دور ہے مگر وہ مجھے ضرور بتائیں گے کہ آزادی کی صبح ہونے میں کتنی دیر باقی ہے۔